© rasailojaraid.com

گیا کیا گل کھلائیں گی کہ اجتماعِ عام کا رجحان (جو کہ کثرتِ رائے قسم کی ہی چیز ہے) یا حضرت عثمانؓ کی خلافت کو "انتخابی معرکہ" ثابت کرنے کی کوشش میں ایک ایسی بات بھی لکھ دی جس سے یہ ظاہر ہے کہ خدانخواستہ جناب علیؓ نے کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جسے صحابہ کرام کے "اجتماع عام" کی اکثریت نے پسند نہ کیا۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے جو بات کہی تھی وہی صحابہ کرام کا متفقہ نظریہ تھا کہ غیر مشروط اطاعت تو صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو سکتی ہے اور کسی کی نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خلفاء راشدینؓ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اتباع اور تقلید میں عام فہم فرق یہ ہے کہ اتباع کسی کے اس قول و عمل کی کی جاتی ہے جس کی دلیل ہو جبکہ تقلید دلیل نہیں چاہتی ہے یا بالفاظ دیگر یہ کہہ لیجیے کہ رسولؐ کے سوا کسی کی مشروط اتباع تو ہو سکتی ہے غیر مشروط اتباع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے پہلے دو خلفا کے ان اعمال کی کبھی اتباع نہیں کی جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح ہدایات موجود تھیں اس کی پہلی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک قول ہے کہ انھوں نے شامیوں کو جب تمتع بالحج کا فتویٰ دیا تو ان لوگوں نے کہا آپ کے ابا جان (حضرت عمرؓ) تو منع کرتے ہیں تو انھوں نے کہا "میرے ابا کی اتباع واجب ہے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی"[1] دوسری دلیل حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت سنتِ نبویؐ کو سنتِ صدیقؓ پر ترجیح دینے کا عمل ہے جب کہ تیسری دلیل جناب علیؓ کا سنتِ نبویؐ کو سنتِ عمرؓ پر ترجیح دینے کو پسندیدگی سے دیکھنا اور پھر عمل کرانا اور حضرت عثمانؓ کا اس پر سکوت اختیار کر کے اپنی رضامندی ظاہر کرنا ہے۔

چلتے چلتے یہ ذکر بھی ہو جانا چاہیے کہ جمہوریت پر ایمان لانے والے مسلمانوں کی خلفا اربعہ کے انتخاب کے سلسلے میں مجمع عام اور اجتماع عام ایسی اصطلاحوں کے تکرار کے باوجود حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے بارے میں بھی کوئی اجتماع اور مجمع عام کا اہتمام نہیں ہوا بلکہ اس "اجتماع" — (جو مسجد میں ہوا) — میں نماز فجر ادا کرنے والے نمازی، اپنے میں کسی ایک کو خلیفہ مقرر کرنے والی مجلس کے ارکان موجود تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے صرف ان مہاجرین اور انصار کو بلایا جو مدینہ منورہ میں موجود تھے اور ان سپہ سالاروں کو بھی بلایا جنھوں نے حج کیا تھا اور پھر حضرت عمرؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ آئے تھے (بخاری، طبری)

رائے عامہ اور اہلیت کی کسوٹی

حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کو بالغ رائے دہی کا نتیجہ ثابت کرنے کے لیے جمہوریت پسند

---

[1] حضرت عمرؓ نے حج تمتع کے سلسلے میں رجوع کر لیا تھا (مسلم کتاب الحج باب فی المتعۃ بالحج والعمرۃ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کو بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ ایس ایم ظفر فرماتے ہیں کہ "حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بعض لوگوں کی رائے تھی کہ حضرت علیؓ کو جانشین ہونا چاہیے لیکن حضرت علیؓ نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ ان کی بیعت خفیہ طور پر نہیں بلکہ علی الاعلان ہونی چاہیے اور مسلمانوں کو ان کے حق میں اپنی رائے کا برملا اظہار کرنا چاہیے ...... اس سے بھی مقصود رائے عامہ ہی تھا۔"

سید مودودی فرماتے ہیں کہ "چند صحابہ حضرت علیؓ کے مکان پر جمع ہوئے اور ان سے عرض کیا آج آپ سے زیادہ امارت کا حق دار کوئی نہیں۔ آپ اس بار کو سنبھالیں۔ حضرت علیؓ نے انکار کیا مگر وہ اصرار کرتے رہے آخرکار حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میری بیعت خفیہ نہیں ہو سکتی اور یہ مسلمانوں کی عام رضامندی کے بغیر اس کا انعقاد ممکن نہیں ہے چنانچہ آپ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور مہاجرین و انصار جمع ہوئے اور سب کی نہیں تو کم از کم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے اکثریت کی مرضی سے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ (اسلامی دستور کی تدوین)

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت علیؓ بھی اپنے اس ارشاد کہ "میری بیعت خفیہ طور پر نہیں بلکہ علی الاعلان ہونی چاہیے" سے "مقصود" رائے عامہ ہی لیتے ہیں" یا "میری بیعت خفیہ نہیں ہو سکتی اور مسلمانوں کی عام رضامندی کے بغیر اس کا انعقاد ممکن نہیں" سے "مراد" اکثریت کی مرضی کا حصول تھا۔ اس سلسلے میں جناب علیؓ کے حضرت معاویہ کے نام ایک خط کا حوالہ دینا چاہوں گا۔ وہ لکھتے ہیں۔ "مجھ سے انہی لوگوں نے بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ سے بیعت کی تھی لہذا نہ تو حاضر کے لیے حق باقی رہ گیا ہے کہ بیعت کرنے میں اختیار سے کام لے اور نہ غیر حاضر کو حق ہے کہ بیعت سے روگردانی کرے شوریٰ تو صرف مہاجرین و انصار کے لیے ہے۔ اگر انھوں نے کسی آدمی کے انتخاب پر اتفاق کر لیا اور اسے امام قرار دے دیا تو یہ اللہ کی اور پوری امت کی رضامندی کے لیے کافی ہے۔ اب اگر امت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض یا بدعت کی بنا پر خروج کرتا ہے تو مسلمان اسے حق کی طرف لوٹا دیں گے جس سے وہ خارج ہوا۔ انکار کرے گا تو اس سے جنگ کی جائے گی کیونکہ اس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے اور خدا اسے اس کی گمراہی کے حوالے کر دے گا۔ (نہج البلاغہ)

ہر فرد سے مشورہ لینا ضروری اور کثرت رائے ہی درست تصور کے قائل حضرات بھی اس خط کو اپنے موقف کی دلیل میں اکثر بیان کرتے رہتے ہیں اس لیے عرض کروں گا کہ اس خط کے مذکورہ بالا اقتباس کو دوبارہ پڑھ لیا جائے اور خود ہی فیصلہ کیجیے کہ یہ خط "جمہوری طرز سیاست" کو اجاگر کرتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اہل افراد کو پرکھ نہ سکنے والوں کو آج ہی اہل افراد کے پرکھنے کی ایک کسوٹی فراہم کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خلافت و امامت کے تصور کو اجاگر کرتے ہوئے زبانِ حال سے بتا رہا ہے کہ مرعوبیت کے اس دور میں سانس لینے والو! "شوریٰ تو صرف مہاجرین و انصار کے لیے ہے" (مشورہ تو صرف اہل لوگ دے سکتے ہیں) اگر انھوں نے کسی آدمی کے انتخاب پہ اتفاق کر لیا اور اسے امام قرار دے دیا تو یہ اللہ اور امت کی رضامندی کے لیے کافی ہے" (یعنی ان کا فیصلہ امرھم شوریٰ بینھم کے تحت ہے ہر امت کے لیے ان کے فیصلے کے سامنے سر جھکا کر رضامندی ظاہر کرنا لازمی ہے) "اب اگر امت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض یا بدعت کی بنا پر خروج کرتا ہے" ان کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتا) تو مسلمان اسے حق کی طرف لوٹا دیں گے جس سے وہ خارج ہوا" (مطلب یہ کہ امت کا فرض ہے کہ اسے مجلس شوریٰ کا فیصلہ بزور تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے یا معاشرتی قطع تعلق کرتے ہوئے اسے خلوت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیں) انکار کرے گا تو اس سے جنگ کی جائے گی" (یہ اس لیے کہ اس کا یہ جرم ایک آدمی کا نہیں بلکہ امتِ مسلمہ میں انتشار پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے جسے مسلم فلسفہ قومیت کبھی قبول نہیں کر سکتا بلکہ جناب عمرؓ کے فرمان کے مطابق اسے قتل بھی کیا جا سکتا ہے) کیونکہ اس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے اور خدا اسے اپنی گمراہی کے حوالے کر دے گا۔"

آخر میں یہ بھی پڑھ لیجیے کہ جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد چند اصحاب نے حضرت علیؓ کے پاس حاضر ہو کر خلافت قبول کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ "یہ معاملہ تمھارے فیصلہ کرنے کا نہیں یہ تو اہل شوریٰ اور اہلِ بدر کا کام ہے جس کو اہل شوریٰ اور اہل بدر پسند کریں گے۔ وہی خلیفہ ہوگا۔ پس ہم جمع ہوں گے اور اس معاملے پر غور کریں گے" (اسلامی دستور کی تدوین) کیا اس کے بعد بھی سورۃ النور کی آیت نمبر ۵۵ سے اس استنباط کی کوئی وقعت رہ جاتی ہے جس کے تحت کہا گیا ہے ——— کہ تمام مسلمان خلیفہ ہوتے ہیں اور پھر وہ اپنی خلافت ایک شخص کی ذات میں مرکوز کرتے ہیں اور تفویض کرتے ہیں۔

لایعنی کوشش

خلافت راشدہ کو جمہوری اور بالغ رائے دہی کا نظام ثابت کرنے کے لیے حضرات ائمہ کرام اور دیگر بزرگوں کی ایسی آرا بھی اپنے مؤقف کی تائید میں لاتے ہیں جنھیں دوسرے اصحاب علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث کے دلائل سے رد بھی کیا جا سکتا ہے لیکن میں ایک ادنیٰ مسلمان کی حیثیت اس اصولی موقف کا حامی ہوں کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور خلفاء راشدین کے سوا دیگر اہلِ علم قابلِ احترام تو ہو سکتے ہیں لیکن قابلِ اتباع نہیں اس لیے ان کی آراء کے حوالے سے اسلامی نظامِ سیاست کے تعین یا کسی اور نظام کو شورائی نظام ثابت کرنے کی کوشش ایک لایعنی اور غیر مفید کوشش ہے۔

بے لگام اصول

جس طبقہ کو ساتویں صدی کے معاشرہ کی تصویر اور دورِ حاضر میں قائم سیاسی تصورمیں کوئی فرق نظر ہی نہیں آتا اور وہ ساتویں صدی کے حقائق کی نئی تعبیر میں مصروف ہے، ایک عجیب وغریب فلسفہ بھی قوم کے ذہنوں میں اتارنے کی کوشش کر رہا ہے جو کسی بھی اصول کا محتاج نہیں۔ اس طبقہ کی نمائندگی جناب ایس ایم ظفر نے شریعت بِل بحث میں بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "قرآن حکیم میں اس غرض سے (طرزِ حکومت کے بارے میں) صرف مشاورت کا اصول دیا گیا ہے کسی ٹھوس طرزِ حکومت کا خاکہ نہیں دیا گیا۔" یہ ارشاد تضاد کا شاہکار ہے۔ ایک طرف تو تسلیم کیا جا رہا ہے کہ قرآن مجید نے —— مشاورت کا اصول دیا ہے (جو شورائی نظام کا بنیادی اصول ہے) دوسری طرف یہ اصرار کہ کسی مخصوص طرزِ حکومت کا خاکہ نہیں دیا گیا۔ یہی وہ تضاد ہے جس کی بنیاد پر ساتویں اور بیسویں صدی میں قائم سیاسی نظاموں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیونکہ جب مشاورت کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو اس مخصوص طرزِ حکومت کا خاکہ تلاش کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوگی جو مشاورت پر قائم ہوتا ہے بصورتِ دیگر مشاورت کو اصول قرار دیتے ہوئے بھی قرآن مجید میں کسی مخصوص طرزِ حکومت کا خاکہ موجود نہیں، کا اقرار کیا جائے تو مسلمانوں کو کسی بھی نظام کو اپنانے کی ترغیب دی جا سکتی ہے۔ اسی لیے ایس ایم ظفر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات مسلمانوں پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ حالات وضروریات کے مطابق اپنے لیے طرزِ حکومت خود وضع کریں۔"

اس مغالطہ انگیز متضاد بیان کے سلسلے میں سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کے اصول (مشاورت) کی بجائے اپنا خود ساختہ مفروضہ کسی مخصوص طرزِ حکومت کا خاکہ (قرآن نے) نہیں دیا۔ منوانے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے ورنہ قرآن مجید کے ہی طرزِ حکومت کو تلاش کرنے

© rasailojaraid.com